انسان کا معاشی مسئلہ

اور اس کا

اسلامی حل

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

فہرست

عنوانات	صفحہ نمبر
انسانی کا معاشی مسئلہ اور اس کا اسلامی حل	3
اصل معاشی مسئلہ	7
معاشی انتظام کی خرابی	10
اشتراکیت کا تجویز کردہ حل	17
فاشزم کا حل	19
اسلام کا حل	20

نوٹ: فہرست پر کلک کر کے مضامین تک براہِ راست پہنچا جا سکتا ہے، جبکہ ہر صفحے سے واپس فہرست پر جانے کا لنک موجود ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انسانی کا معاشی مسئلہ اور اس کا اسلامی حل

یہ مقالہ ۳۰ اکتوبر ۱۹۴۱ء کو انجمن اسلامی تاریخ وتمدن کی دعوت پر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں بمقام اسٹریچی ہال پڑھا گیا

موجودہ زمانے میں ملکوں اور قوموں کے اور بحیثیت مجموعی دنیا کے معاشی مسائل کو جو اہمیت دی جارہی ہے، شاید اس سے پہلے، کم از کم نمایاں طور پر ان کو اتنی اہمیت کبھی نہیں دی گئی۔ ''نمایاں طور پر'' کا لفظ میں اس لئے استعمال کررہا ہوں کہ حقیقت میں تو انسان کی زندگی میں اس کی معاش جس قدر اہمیت رکھتی ہے اس کے لحاظ سے ہر زمانہ میں افراد، جماعتوں، قوموں، ملکوں اور تمام انسانوں نے اس کی طرف بہرحال توجہ کی ہے، لیکن آج اس توجہ کو جس چیز نے زیادہ نمایاں کردیا ہے وہ معاشیات کے نام سے ایک باقاعدہ علم کا بڑی بڑی کتابوں، بھاری بھرکم اصطلاحوں اور پُرشوکت اداروں کے ساتھ موجود ہونا اور ساتھ ہی ضروریات زندگی کی پیدائش، فراہمی اور اکتساب کے طریقوں کا پیچیدہ پیچیدہ تر ہوتے چلے جانا ہے۔ اس اسباب سے آج معاشی مسائل پر بحث وگفتگو اور عالمانہ تحقیق کا وہ زور شور ہے کہ ان کے آگے انسانی زندگی کے سارے مسائل دب کر رہ گئے ہیں۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ جس چیز پر دنیا بھر کی توجہات اس طرح مرکوز ہوگئی ہیں وہ بجائے سلجھنے اور صاف ہونے کے اور زیادہ الجھتی اور معما بنتی چلی جاتی ہے۔ علم المعیشت کی موٹی موٹی اصطلاحوں نے اور ماہرین معاشیات کی عالمانہ موشگافیوں نے عام لوگوں کو اس قدر دہشت زدہ کردیا ہے کہ وہ غریب ان اعلیٰ درجہ کی فنی بحثوں کو سُن کر اس طرح اپنے معاشی مسئلہ کی ہولناکی سے مرعوب اور اس کے حل کی تمام توقعات سے مایوس ہوجاتے ہیں، جس طرح ایک بیمار کسی ڈاکٹر کی زبان سے اپنی بیماری کا کوئی موٹا سا لاطینی نام سن کر ہول کھا جاتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ جب مجھے ایسی

سخت بیماری لاحق ہوگئی ہے تو میری جان کا اب اللہ ہی حافظ ہے۔ حالانکہ ان اصطلاحوں اور فنی بحثوں کا غلاف اتار کر سیدھے سادے فطری طریقے سے دیکھا جائے تو انسان کا معاشی مسئلہ بڑی آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے اور اس مسئلہ کے حل کی مختلف صورتیں جو دنیا میں اختیار کی گئی ہیں ان کے سفید اور مضر پہلو بھی بغیر کسی وقّت کے دیکھے جاسکتے ہیں اور اس کے حل کی صحیح فطری صورت جو کچھ ہوسکتی ہے اس کے سمجھنے میں بھی کوئی مشکل باقی نہیں رہتی۔

اصطلاحات کے چکّر اور فنی پیچیدگیوں کے طلسمات نے اس مسئلہ کو جس قدر اُلجھایا ہے اس پر مزید الجھن اس وجہ سے بھی پیدا ہوگئی ہے کہ انسان کے معاشی مسئلہ کو، جو دراصل انسانی زندگی کے عظیم تر مسئلہ کا ایک جز تھا، مجموعہ سے الگ کر کے بجائے خود ایک مستقل مسئلہ کی حیثیت سے دیکھا جانے لگا، اور رفتہ رفتہ یہ لَے اتنی بڑھی کہ معاشی مسئلہ ہی کو پوری زندگی کا مسئلہ سمجھ لیا گیا۔ یہ پہلی غلطی سے بھی زیادہ بڑی غلطی ہے جس کی وجہ سے اس گتھی کا سلجھنا محال ہوگیا ہے۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسے کوئی امراضِ جگر کا ماہر انسانی جسم کے مجموعی نظام سے الگ کر کے، اور اس نظام میں جگر کی جو حیثیت ہے اس کو نظر انداز کر کے جگر کو بس جگر ہونے کی حیثیت سے دیکھنا شروع کر دے اور پھر اس دیکھنے میں اتنا مستغرق ہو کہ آخ کار اسے پورا انسانی جسم بس ایک جگر ہی جگر نظر آنے لگے۔ آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ اگر انسانی صحت کے سارے مسائل کو صرف جگریات سے حل کرنے کی کوشش کی جائے تو یہ مسائل کس قدر ناقابل حل ہو جائیں گے اور آدمی بچارے کی جان کس قدر شدید خطرے میں مبتلا ہو کر رہے گی۔ بس اسی پر قیاس کر لیجئے کہ جب معاشیات کو انسانیت کے مجموعے میں سے نکل کر الگ کر لیا جائے اور پھر اسی کو عین انسانیات قرار دے کر سارے مسائل زندگی اُسی سے حل کئے جانے لگیں تو بجز سرگشتگی و حیرانی کے اور کیا حاصل ہوسکتا ہے۔

دور جدید کے فتنوں میں سے یہ ماہرین خصوصی (Specialists) کا فتنہ بھی ایک بڑا فتنہ ہے۔ زندگی اور اس کے مسائل پر مجموعی نظر کم سے کم تر ہوتی چلی جاتی ہے۔ انسان مختلف علوم وفنون کے یک چشم ماہرین کے ہاتھوں میں کھلونا بن کر رہ گیا ہے۔ کوئی طبیعات کا ماہر ہے تو وہ ساری کائنات کا معما صرف طبیعیات کے بل پر حل کرنے لگتا ہے۔ کسی کے دماغ پر نفسیات کا تسلّط ہے تو وہ اپنے نفسیاتی تجربات و مشاہدات اعتماد پر پورا فلسفۂ حیات مرتب کرنا چاہتا ہے۔ کسی اللہ کے بندے کی نظر صنفیات پر جم کر رہ گئی ہے تو وہ کہتا ہے کہ پوری انسانی زندگی بس شہوانیت (Sex) کے محور پر گھوم رہی ہے۔ حتیٰ کہ خدا کا خیال بھی

انسان کے دماغ میں اسی رستہ سے آ گیا ہے۔ اس طرح جو لوگ معاشیات میں مستغرق ہیں وہ انسان کو یقین دلانا چاہتے ہیں کہ معاش تیری زندگی کا اصل مسئلہ ہے اور باقی سارے مسائل اسی جڑ کی شاخیں ہیں۔ حالانکہ اصل حقیقت جو کچھ ہے وہ یہ ہے کہ یہ سب ایک کُل کے مختلف پہلو ہیں۔ اُس کُل کے اندر ان سب کا ایک خاص مقام ہے اور اس مقام کے لحاظ ہی سے ان کی اہمیت بھی ہے۔ انسان ایک جسم رکھتا ہے جو قوانینِ طبیعی کے ماتحت ہے' اس لحاظ سے انسان طبیعیات کا موضوع بھی ہے۔ مگر وہ نرا جسم ہی نہیں ہے کہ صرف طبیعیات سے اس کے سارے مسائل حل کئے جاسکیں۔ انسان ایک ذی حیات ہستی ہے جس پر حیاتی قوانین جاری ہوتے ہیں' اس لحاظ سے وہ علم الحیات (Biology) کا موضوع ہے' مگر وہ نرا ذی حیات نہیں ہے کہ صرف حیاتیات یا حیوانیات (Zoology) ہی سے اس کی زندگی کا پورا قانون اخذ کیا جاسکے۔ انسان کو زندہ رہنے کے لئے غذا کی پوشش کی اور ماکان کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے معاشیات اس کی زندگی کے ایک اہم شعبہ پر حاوی ہے' مگر وہ محض ایک کھانے' پہننے بنا کر رہنے والا حیوان ہی نہیں ہے کہ تنہا معاشیات ہی پر اس کے فلسفہ حیات کی بنا رکھ دی جائے۔ انسان اپنی نوع کو باقی رکھنے کے لئے تناسل پر بھی مجبور ہے جس کے لیے اس کے اندر ایک زبردست صنفی میلان پایا جاتا ہے' اس لحاظ سے صنفیات کا علم بھی اس کی زندگی کے ایک اہم پہلو سے تعلق رکھتا ہے۔ مگر وہ بالکل نسل کشی کا آلہ ہی نہیں ہے کہ بس صنفیات ہی کی عینک لگا کر اسے دیکھا جانے لگے۔ انسان ایک نفس رکھتا ہے جس میں شعور وادراک کی مختلف قوتیں اور جذبات وخواہشات کی مختلف طاقتیں ہیں' اس لحاظ سے نفسیات اس کے باوجود کے ایک بڑے شعبے پر محیط ہے' لیکن وہ از سرتا پا نفس ہی نفس نہیں ہے کہ نفسیات کے علم سے اس کی زندگی کی وپری اسکیم بنائی جاسکے۔ انسان ایک متمدن ہستی ہے جو عین اپنی فطرت کے لحاظ سے مجبور ہے کہ دوسرے انسانوں کے ساتھ مل کر رہے' اس لحاظ سے اس کی زندگی کے بہت سے پہلو عمرانیات کے تحت آتے ہیں' لیکن متمدن ہستی ہونا اس کا تمام وجود نہیں ہے کہ محض علومِ عمران کے ماہرین بیٹھ کر اس کے لئے مکمل نظامِ حیات وضع کرسکیں۔ انسان ایک ذی عقل ہستی ہے جس کے اندر محسوسات سے ماوراء معقولات کی طلب بھی پائی جاتی ہے اور وہ عقلی اطمینان چاہتا ہے' اس لحاظ سے علومِ عقلیہ اس کے ایک خاص مطالبہ کو پورا کرتے ہیں' مگر وہ پورا کا پورا عقل ہی نہیں ہے کہ محض معقولات کے بل بوتے پر اس کے لئے ایک لائحہ عمل زندگی بنایا جاسکے۔ انسان ایک اخلاقی وروحانی وجود ہے جس میں بھلے اور بُرے کا امتیاز اور

محسوسات و معقولات دونوں سے ماوراء حقیقتوں تک پہنچنے کا داعیہ بھی پایا جاتا ہے' اس لحاظ سے اخلاقیات و روحانیات اس کے ایک اور اہم مطالبہ کو پورا کرتے ہیں' مگر وہ از سرتا پا اخلاق اور روح ہی نہیں ہے کہ مجرد اخلاقیات و روحانیت سے اس کے لئے پورا نظامِ زندگی بنایا جا سکے۔ دراصل انسان بیک وقت یہ سب کچھ ہے' اور ان متام حیثیتوں کے علاوہ اس کی ایک حیثیت یہ بھی ہے کہ اپنے ان تمام وجود اور اپنی زندگی کے سارے شعبوں سمیت وکائنات کے اس عظیم الشان نظام کا ایک جز ہے اور اس کی زندگی کا ضابطہ لازمی طور پر اس امر کا تعین چاہتا ہے کہ اس کائنات میں اس کی حیثیت کیا ہے اور اس کا جز ہونے کی حیثیت سے اس کو کس طرح کام کرنا چاہئے۔ نیز اس کے لئے یہ بھی ناگزیر ہے کہ وہ اپنے مقصد زندگی کا تعین کرے اور اس کے لحاظ سے فیصلہ کرے کہ اسے کس لئے کام کرنا ہے۔ یہ آخری دونوں سوال انسانی زندگی کے بنیادی سوال ہیں۔ انہی پر ایک فلسفہ حیات بنتا ہے پھر اس فلسفہ حیات کے تحت تمام وہ علوم جو دنیا اور انسان سے تعلق رکھتے ہیں اپنے اپنے دائرہ کی معلومات فراہم کرتے ہیں اور کم وبیش ان سب سے مل کر ایک لائحہ عمل بنتا ہے جس پر انسانی زندگی کا پورا کارخانہ چلتا ہے۔

اب یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ اگر آپ اپنی زندگی کے مسئلے کو سمجھنا چاہیں تو اس کے لئے یہ کوئی صحیح طریقہ نہیں ہے کہ آپ خوردبین لگا کر صرف ایسی ایک مسئلہ پر نظر کو محدود کر کے دیکھیں یا اس خاص شعبہ حیات کے لئے جس سے وہ مسئلہ تعلق رکھتا ہے ایک قسم کا تعصب لئے ہوئے پورے مجموعہ حیات پر نظر ڈالیں۔ بلکہ صحیح فہم وادراک کے لئے آپ کو پورے مجموعے کے اندر رکھ کر اُسے دیکھنا ہوگا اور غیر متعصّبانہ نگاہ سے دیکھنا ہوگا۔ اسی طرح اگر آپ زندگی کے توازن میں کوئی بگاڑ پائیں اور اس کو درست کرنا چاہیں تو یہ اور بھی زیادہ خطرناک ہے کہ آپ کسی ایک مسئلہ زندگی کو کُل مسئلہ زندگی قرار دے کر سارے کارخانہ کو اسی ایک پرزے کے گرد گھما دیں۔ اس حرکت سے تو آپ اور زیادہ عدمِ توازن پیدا کر دیں گے۔ صحیح طریقہ اصلاح یہ ہے کہ غیر متعصّبانہ نگاہ سے پورے نظامِ زندگی کو اس کے بنیادی فلسفے سے لے کر شاخوں کی تفصیلات تک دیکھیے اور تحقیق کیجئے کہ خرابی کس جگہ اور کس نوعیت کی ہے۔

انسان کے معاشی مسئلے کو سمجھنے اور صحیح طور پر حل کرنے میں جو مشکل پیش آ رہی ہے اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ اس مسئلے کو بعض لوگ صرف معاشیات کی نگاہ سے دیکھتے ہیں بعض اس کی اہمیت جو مبالغہ کر کے اُسے کل مسئلہ زندگی قرار دے رہے ہیں اور بعض اس سے بھی تجاوز کر کے زندگی کا بنیادی فلسفہ اور اخلاق اور

تمدن و معاشرت کا سارا نظام معاشی بنیاد ہی پر قائم کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ اگر معاشیات ہی کو اساس ٹھیرایا جائے تو انسان کا مقصد زندگی اُس بیل کے مقصدِ زندگی سے کچھ بھی مختلف نہیں ٹھیرتا جس کی تمام سعی و جہد کی غایت یہ ہے کہ ہری ہری گھاس کھا کر خوش و خرم اور تنومند ہو جائے' اور کائنات میں اس کی یہ حیثیت قرار پاتی ہے کہ وہ بس چراگاہِ عالم میں ایک آزاد چرندہ ہے۔ اسی طرح اخلاقیات' روحانیات' معقولیات' عمرانیات' نفسیات اور تمام دوسرے علوم کے دائروں میں بھی معاشی نقطۂ نظر کے غالب آ جانے سے نہایت شدید عدمِ توازن کا خطرہ ہو جاتا ہے کیونکہ ان شعبہ ہائے زندگی کے لئے معاشیات میں کوئی بنیاد اس کے سوا نہیں ہے کہ اخلاق و روحانیت نفس پرستی اور مادہ پرستی میں' اور معقولات' کولات میں تبدیل ہو جائیں' عمرانیات کی ساری ترتیب حقائق عمرانی کے بجائے کاروباری اغراض پر قائم ہو اور نفسیات میں انسان کا مطالعہ محض ایک معاشی حیوان کی حیثیت سے کیا جانے لگا۔ کیا اس سے بڑھ کر انسانیت پر کوئی اور ظلم ہو سکتا ہے؟

اصل معاشی مسئلہ

اب اگر ہم اصلاحی اور فنی پیچیدگیوں سے بچ کر ایک سیدھے سادے طریقے سے دیکھیں تو انسان کا معاشی مسئلہ ہم کو یہ نظر آتا ہے کہ تمدن کی رفتار ترقی کو قائم رکھتے ہوئے کس طرح تمام انسانوں کو ان کی ضروریات زندگی بہم پہنچنے کا انتظام ہو اور کس طرح سوسائٹی میں ہر شخص کو اپنی استعداد اور قابلیت کے مطابق ترقی کرنے اور اپنی شخصیت کو نشو و نما دینے اور اپنے کمالِ لائق تک پہنچنے کے مواقع حاصل رہیں۔

قدیم ترین زمانہ میں انسان کے لئے معاش کا مسئلہ قریب قریب اتنا ہی سہل تھا جتنا حیوانیات کے لئے ہے۔ خدا کی زمین پر بے شمار سامانِ زندگی پھیلا ہوا ہے ہر مخلوق کے لئے جد قدر رزق کی ضرورت ہے وہ بافراط مہیا ہے۔ ہر ایک اپنا رزق تلاش کرنے کے لئے نکلتا ہے اور جا کر خزائن رزق میں سے حاصل کر لیتا ہے۔ کسی کو نہ اس کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے اور نہ اس کا رزق کسی دوسری مخلوق کے قبضہ میں ہے۔ تقریباً یہی حالت انسان کی بھی تھی کہ گیا اور قدرتی رزق ' خواہ وہ پھلوں کی شکل میں ہو' یا شکار کے جانوروں کی شکل میں حاصل کر لیا۔ قدرتی پیداوار سے بدن ڈھانکنے کا انتظام کر لیا۔ زمین میں جہاں موقع دیکھا ایک سر چھپانے اور پُر رہنے کی جگہ بنا لی۔ لیکن خدا نے انسان کو اس لئے پیدا نہیں کیا تھا کہ وہ زیادہ

مدت تک اسی حالت میں رہے۔ اُس نے انسان کے اندر ایسے فطری داعات رکھے تھے کہ وہ انفرادیت چھوڑا کر اجتماعی زندگی اختیار کرے اور اپنی صنعت سے اپنے لئے اُن ذرائع زندگی سے بہتر ذرائع پیدا کرلے جو قدرت نے مہیا کئے تھے۔ عورت اور مرد کے درمیان دائمی تعلق کی فطری خواہش' انسانی بچے کا طویل مدت تک ماں باپ کی پرورش کا محتاج ہونا' اپنی نسل کے ساتھ انسان کی گہری دلچسپی اور خونی رشتوں کی محبت یہ وہ چیزیں تھیں جو اسے اجتماعی زندگی پر مجبور کرنے کے لئے خود فطرت ہی نے اس کے اندر رکھ دی تھیں۔ اسی طرح انسان کا خودرو پیداوار پر قانع نہ ہونا اور زراعت سے اپنے لئے خود غلہ پیدا کرنا' پتوں سے جسم ڈھانکنے پر قانع نہ ہونا اور اپنی صنعت سے اپنے لئے لباس تیار کرنا' غاروں اور بھٹوں میں رہنے پر مطمئن نہ ہونا اور اپنے لئے خود مکان بنانا' اپنی ضروریات کے لئے جسمانی آلات پر اکتفا نہ کرنا اور پتھر' لکڑی' لوہے وغیرہ کے آلات ایجاد کرنا یہ بھی فطرت ہی نے اس کے اندر ودیعت کیا تھا اور اس کا بھی لازمی نتیجہ یہی تھا کہ وہ رفتہ رفتہ متمدن ہو۔ پس اگر انسان متمدن ہوا تو اُس نے کوئی جرم نہیں کیا بلکہ عین اس کی فطرت کا تقاضہ اور اس کے خالق کا منشا یہی تھا۔

تمدن کی پیدائش کے ساتھ چند چیزیں ناگزیر تھیں۔

ایک یہ کہ انسان کی ضروریات زندگی بڑھیں اور ہر شخص خود اپنی تمام ضروریات فراہم نہ کرسکے بلکہ اس کی کچھ ضرورتیں دوسروں سے اور دوسروں کی اس سے متعلق ہوں۔

دوسرے یہ کہ ضروریات زندگی کا مبادلہ (Exchange) میں آئے اور رفتہ رفتہ مبادلۂ اشیاء کا ایک واسطہ (Medium of Exchange) مقرر ہوجائے۔

تیسرے یہ کہ اشیائے ضرورت تیار کرنے کے آلات اور حمل ونقل کے وسائل میں اضافہ ہو اور جتنی نئی چیزیں انسان کے علم میں آئین اُن سب سے وہ فائدہ اٹھاتا چلا جائے۔

چوتھے یہ کہ آدمی کو اس امر کا اطمینان حاصل ہو کہ وہ چیزیں جن کو اُس نے خود اپنی محنت سے اہصل کیا ہے' وہ آلات جن سے وہ کام کرتا ہے' وہ زمین جس پر اس نے گھر بنایا ہے' وہ جگہ جس مین وہ اپنے پیشہ کا کام کرتا ہے' یہ اسی کے قبضہ میں رہیں گی اور اس کے بعد اُن لوگوں کی طرف منتقل ہوں گی جو دوسروں کی بہ نسبت اس سے قریب تر ہیں۔

اس طرح مختلف پیشوں کا پیدا ہونا' خرید وفروخت اشای ء کی قیمتوں کا تعین روپے کا معیار قیمت کی

حیثیت سے جاری ہونا بین الاقوامی لین دین اور درآمد برآمد تک نوبت پہنچنا' نئے نئے آلات ووسائل پیدائش (Means of Production) کا استعمال میں آنا اور حقوق ملکیت ووراثت کا وجود میں آنا' یہ سب عین مقتضائے فطرت تھا اور ان میں سے کوئی چیز بھی گناہ نہ تھی کہ اب اس سے توبہ کرنے کی ضرورت ہو۔

مزید برآں تمدن کے نشوونما کے ساتھ یہ بھی ضروری تھا کہ:

(۱) مختلف انسانوں کی قوتوں اور قابلیتوں کے درمیان جو فرق خود فطرت نے رکھا ہے اس کی وجہ سے بعض انسانوں کو اپنی اصلی ضرورت سے زیادہ کمانے کا موقع مل جائے اور بعض اپنی ضرورت کے مطابق اور بعض اس سے کم کمائیں۔

(۲) وراثت کے ذریعہ سے بھی بعض کو زندگی کا آغاز کرنے کے لئے اچھے وسائل مل جائیں اور بعض کم وسائل کے ساتھ اور بعض بے وسیلہ کارزارِ حیات میں قدم رکھیں۔

(۳) قدرتی اسباب سے ہر آبادی میں ایسے لوگ موجود ہیں جو کسب معاش کے کام میں حصہ لینے اور اسباب زندگی کے مبادلہ میں شریک ہونے کے قابل نہ ہوں۔ مثلاً بچے' بوڑھے' بیمار اور معذور وغیرہ۔

(۴) بعض انسان خدمت لینے والے اور بعض خدمت انجام دینے والے ہوں اور اس طرح آزادانہ صنعت وتجارت اور زراعت کے علاوہ نوکری اور مزدوری کی صورتیں بھی پیدا ہو جائیں۔

یہ سب بھی بجائے خود انسانی تمدن کے فطری مظاہر اور قدرتی پہلو ہیں۔ ان صورتوں کا رونما ہونا بھی اپنی جگہ کوئی برائی یا گناہ نہیں ہے کہ ان کے استیصال کی فکر کی جائے۔ تمدن کی خرابی کے دوسرے اسباب سے جو برائیاں پیدا ہوئی ہیں اُن کے اصل سبب کو نہ پا کر بہت سے لوگ گھبرا اٹھتے ہیں۔ اور کبھی شخصی ملکیت کو کبھی روپے کو' کبھی مشین کو' کبھی انسانوں کی فطری نامساوات کو' اور کبھی خود تمدن ہی کو کوسنے لگتے ہیں۔ لیکن درحقیقت یہ غلط تشخیص اور غلط تجویز علاج ہے۔ انسانی فطرت کے تقاضے سے تمدن میں جو نشوونما ہوتا ہے اور اس نشوونما سے فطرتاً جو صورتیں رونما ہوئی ہیں اُن کو روکنے کی ہر کوشش نادانی ہے اور اس کے نتیجہ میں فلاح کے بجائے تباہی ونقصان کا زیادہ امکان ہے۔ انسان کا اصل معاشی مسئلہ یہ نہیں ہے کہ تمدن کی ترقی کو کس طرح روکا جائے یا اس کے قدرتی مظاہر کو کس طرح بدلا جائے۔ بلکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ تمدن کے نشوونما کی فطری رفتار کو برقرار رکھتے ہوئے اجتماعی ظلم وبے انصافی کو کیسے روکا جائے۔ اور فطرت کا یہ منشاء کہ ہر مخلوق کو اس کا رزق پہنچے' کیونکر پورا کیا جائے اور اُن رکاوٹوں کو کس طرح دُور کیا

جائے جن کی بدولت بہت سے انسانوں کی قوتیں اور قابلیتیں محض وسائل کے فقدان کی وجہ سے ضائع ہوجاتی ہیں۔

معاشی انتظام کی خرابی

اب ہمیں دیکھنا چاہئے کہ خرابی کے اصل اسباب کیا ہیں؟ اور خرابی کی نوعیت کیا ہے۔

نظامِ معیشت کی خرابی کا نقطۂ آغاز خودغرضی کا حد اعتدال سے بڑھ جانا ہے پھر دوسرے رذائل اخلاق اور ایک فاسد نظام سیاست کی مدد سے یہ چیز بڑھتی اور پھیلتی ہے یہاں تک کہ پورے معاشی نظام کو خراب کرکے زندگی کے باقی شعبوں میں بھی اپنا زہریلا اثر پھیلا دیتی ہے۔ ابھی میں بیان کرچکا ہوں کہ شخصی ملکیت اور بعض انسانوں کا بعض کی بہ نسبت بہتر معاشی حالت میں ہونا' یہ دونوں عین فطرت کے مقتضیات تھے اور بجائے خود ان میں کوئی خرابی نہ تھی۔ اگر انسان کی تمام اخلاقی صفات کو توازن کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملتا اور خارج میں بھی ایک ایسا نظام سیاست موجود ہوتا جو زور و قوت کے ساتھ عدل قائم رکھتا تو اِن سے کوئی خرابی پیدا نہ ہوسکتی تھی لیکن جس چیز نے انہیں خرابیوں کی پیدائش کا ذریعہ بنا دیا وہ یہ تھی کہ جو لوگ فطری اسباب سے بہتر معاشی حیثیت رکھتے تھے وہ خودغرضی' تنگ نظری' بداندیشی' بخل' حرص' بددیانتی اور نفس پرستی میں مبتلا ہوگئے۔ شیطان نے انہیں یہ سمجھایا کہ تمہاری اصل ضرورت سے زائد جو وسائل معیشت تمہیں ملتے ہین اور جن پر تمہیں حقوقِ مالکانہ حاصل ہیں' ان کے صحیح و معقول مصروف صرف وہ ہیں۔ ایک یہ کہ ان کو اپنی آسائش' آرائش' لطف تفریح اور خوش باشی میں صرف کرو دوسرے یہ کہ ان کو مزید وسائل معیشت پر قبضہ کرنے کے لئے استعمال کردہ اور بَن پڑے تو انہیں کے ذریعے سے انسانوں کے خدا اور اَن داتا بھی بن جاؤ۔

پہلی شیطانی تعلیم کا نتیجہ یہ ہوا کہ دولت مندوں نے جماعت کے ان افراد کا حق ماننے سے انکار کردیا جو دولت کی تقسیم میں حصہ پانے سے محروم رہ جاتے ہیں۔ یا اپنی اصل ضرورت سے کم حصہ پاتے ہیں۔ انہوں نے یہ بالکل جائز سمجھا کہ ان لوگوں کو فاقہ کشی اور خستہ حالی میں چھوڑ دیا جائے۔ ان کی تنگ نظری نے یہ نہ دیکھا کہ اس وجہ سے انسانی جماعت کے بہت سے افراد جرائم پیشہ بنتے ہیں' جہالت اور رونانتِ اخلاق میں مبتلا ہوتی ہیں' جسمانی کمزوری اور امراض کا شکار ہوتے ہیں اُن کی ذہنی و جسمانی قوتیں نشوونما پانے اور انسانی تہذیب و تمدن کے ارتقاء میں اپنا حصہ ادا کرنے سے رہ جاتی ہیں اور اُس سے وہ

سوسائٹی بحیثیت مجموعی نقصان اٹھارتی ہے جس کے وہ خود بھی ایک جُز ہیں۔ اسی پر بس نہیں بلکہ ان دولت مندوں نے اپنی اصلی ضروریات پر بے شمار اور ضروریات کا اضافہ کیا اور بہت سے انسانوں کو جن کی قابلیتیں تمدن وتہذیب کی بہتر خدمات کے لئے استعمال ہوسکتی تھیں اپنے نفسِ شریر کی خودساختہ ضرورتوں کے پورا کرنے میں استعمال کرنا شروع کردیا۔ اُن کے لئے زنا ایک ضرورت تھی جس کی خاطر فاحشہ عورتوں اور قُرّمساقوں کا ایک لشکر فراہم ہوا۔ ان کے لئے غِنا بھی ایک ضرورت تھی جس کی خاطر گویوں، نچنیوں، سازندوں اور آلات موسیقی تیار کرنے والوں کی ایک اور فوج تیار کی گئی۔ اُن کے لئے بے شمار قسم کی تفریحات بھی ضروری تھیں جن کی خاطر مسخروں، نقالوں، ایکٹروں اور ایکٹرسوں، دستان گوؤں، مصوروں اور نقاشوں اور بہت سے فضول پیشہ وروں کا ایک اور گروہ کثیر مہیا کیا گیا۔ ان کے لئے شکار بھی ضرور تھا جس کی خاطر بہت سے انسان کوئی بھلا کام کرنے کے بجائے اس کام پر لگائے گئے کہ جنگلوں میں جانوروں کو ہانکتے پھریں۔ ان کے لئے سرورونشاط اور خودرفتگی بھی ایک ضرورت تھی جس کی خاطر بہت سے انسان شراب وکوکین، افیون اور وسرے مُسکرات کی فراہمی میں مشغول کئے گئے۔ غرض اس طرح ان شیطان کے بھائیوں نے صرف اتنے ہی پر اکتفا نہ کیا کہ بے رحمی کے ساتھ سوسائٹی کے ایک بڑے حصہ کو اخلاقی وروحانی اور جسمانی تباہی میں مبتلا ہونے کے لئے چھوڑ دی اہو بلکہ مزید ظلم یہ کیا کہ ایک اور بڑے حصہ کو صحیح اور مفید کاموں سے ہٹا کر بیہودہ ذلیل اور نقصان دہ کاموں میں لگادیا اور تمدن کی رفتار کو راہ راست سے ہٹا کر ایسے راستوں کی طرف پھیر دیا جو انسان کو تباہی کی طرف لے جانے والے ہیں پھر معاملہ اسی پر ختم نہیں ہوگا۔ انسانی سرمایہ (Human Capital) کو ضائع کرنے کے ساتھ انہوں نے مادی سرمایہ کو یہ بھی غلط طریقہ سے استعمال کیا۔ ان کو محلات، کوٹھیوں، گلستان، تفریح گاہوں، ناچ گھروں وغیرہ کی ضرورت لاحق ہوئی، حتیٰ کہ مرنے کے بعد زمین میں لیٹنے کے لئے بھی ان کمبختوں کو ایکڑوں زمین اور عالیٰ شان عمارتوں کی حاجت درپیش ہوئی اور اس طرح وہ زمین، وہ سامانِ تعمیر اور وہ انسانی محنت جو بہت سے بندگا خدا کے لئے سکونت کا انتظام کرنے کے لئے کافی ہوسکتی تھی۔ ایک ایک عیاش آدمی کے مستقر اور مستودع پر صرف ہوگئی ان کو زیوروں، نفیس لباسوں، اعلیٰ درجہ کے آلات وظروف، زینت و آرائش کے سامانوں، شاندار سواریوں اور نہ معلوم کن کن چیزوں کی ضرورت پر پیش آئی۔ حتی کہ ان ظالموں کے دروازے بھی قیمتی پردوں کے بغیر ننگے رہے جاتے تھے۔ ان کی دیواریں بھی سینکڑوں اور

ہزاروں روپے کی تصویروں سے مزین ہوئے بغیر نہ رہ سکتی تھی' ان کے کمروں کی زمین بھی ہزاروں روپے کے قالین اوڑھنا چاہتی تھی' ان کے کتوں کو بھی مخمل کے گدے اور سونے کے پٹے درکار تھے۔ اس طرح وہ بہت سا مواد اور کثیر انسانی عمل جو ہزار ہا انسانوں کا تن ڈھانکنے اور پیٹ بھرنے کے کام آ سکتا تھا' ایک ایک شخص کی نفس پرستی کے لئے وقف ہو گیا۔

یہ تو شیطانی رہنمائی کے ایک حصہ کا نتیجہ تھا۔ دوسری رہنمائی کے نتائج اس سے بھی زیادہ خراب نکلے۔ یہ اصول کہ اپنی اصلی ضرورت سے زائد جو وسائل معیشت کسی انسان کے قبضہ میں آ گئے ہوں اُن کو وہ جمع کرتا چلا جائے اور پھر مزید وسائل معیشت حاصل کرنے کے اسباب جو زمین پر پیدا کئے ہیں یہ مخلوق کی حقیقی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے پیدا کئے ہیں۔ تمہارے پاس خوش قسمتی سے اگر کچھ زیادہ اسباب آ گئے ہیں تو یہ دوسروں کا حصہ تھا جو تم تک پہنچ گیا اسے جمع کرنے کہاں چلے ہو؟ اپنے گردوپیش دیکھو جو لوگ سامانِ زیست میں سے اپنا حصہ حاصل کرنے کے قابل نظر نہیں آتے یا اُسے حاصل کرنے میں ناکام رہ گئے ہیں یا جنہوں نے اپنی ضرورت سے کم پایا ہے' سمجھ لو کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کا حصہ تمہارے پاس پہنچا ہے وہ حاصل نہیں کر سکے تو تم اُن تک پہنچا دو۔ یہ صحیح کام کرنے کے بجائے اگر تم ان اسباب کو اور زیادہ اسبابِ معاش حاصل کرنے کے لئے استعمال کرو گے تو یہ غلط کام ہوگا کیونکہ کہ بہرحال وہ مزید اسباب جو تم حاصل کرو گے تمہاری ضرورت سے اور بھی زیادہ ہوں گے۔ پھر ان کے حصول کی کوشش بجز اس کے کہ تمہاری حرص وہوس کی تسکین کا ذریعہ ہو اور کیا مفید پہلو رکھتی ہے؟ حصول معاش کی سعی میں تم اپنے وقت' محنت اور قابلیت کا جتنا حصہ اپنی ضروریاتِ زندگی فراہم کرنے کے لئے صرف کرتے ہو تو صحیح اور معقول مصرف میں صرف ہوتا ہے مگر اس واقعی ضرورت سے زائد ان چیزوں کو اس کام میں صرف کرنے کے معنی یہ ہیں کہ تم معاشی حیوان بلکہ دولت پیدا کرنے کی مشین بن رہے ہو۔ حالانکہ تمہارے وقت ومحنت اور ذہنی و جسمانی قوتوں کے لئے کسبِ معاش کے سوا اور زیادہ بہتر مصروف بھی ہیں۔ پس عقل اور فطرت کے لحاظ سے یہ اصول ہی سرے سے غلط ہے جو شیطان نے اپنے شاگردوں کو سکھایا ہے۔ لیکن اس اصول پر جو عملی طریقے بنے ہیں وہ تو اس قدر قابلِ لعنت اور ان کے نتائج اتنے ہولناک ہیں کہ ان کا صحیح تخمینہ بھی مشکل ہے۔

زائد از ضرورت وسائل معیشت کو مزید وسائل قبضہ میں لانے کے لئے استعمال کرنے کی دو صورتیں ہیں۔

ایک یہ کہ ان وسائل کو سود پر قرض دیا جائے۔

دوسرے یہ کہ انہیں تجارتی اور صنعتی کاموں میں لگایا جائے۔

یہ دونوں طریقے اپنی نوعیت میں کچھ ایک دوسرے سے مختلف ضرور ہیں لیکن دونوں کے مشترک عمل کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سوسائٹی دو طبقوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ ایک وہ قلیل طبقہ جو اپنی ضرورت سے زیادہ وسائل معاش رکھتا ہے اور اپنے وسائل کو مزید وسائل کھینچنے کے لئے وقف کر دیتا ہے۔ دوسرا وہ کثیر طبقہ جو اپنی ضرورت کے مطابق یا اس سے کم وسائل رکھتا ہے یا بالکل نہیں رکھتا۔ ان دونوں طبقوں کے مفاد نہ صرف یہ ایک دوسرے کے خلاف ہوتے ہیں بلکہ لامحالہ ان کے درمیان کشمکش اور نزاع برپا ہوتی ہے اور یوں انسان کا معاشی انتظام جس کو فطرت نے مبادلہ پر مبنی کیا تھا محاربہ پر قائم ہو کر رہ جاتا ہے۔

پھر یہ محاربہ جتنا جتنا بڑھتا جاتا ہے، مال دار طبقہ تعداد میں کم اور نادار طبقہ زیادہ ہوتا جاتا ہے کیونکہ اس محاربہ کی نوعیت ہی کچھ اس قسم کی ہے کہ جو زیادہ مالدار ہے وہ اپنے مال کے زور پر کم مالدار لوگوں کے وسائل کو کھینچ لیتا ہے اور اسے نادار طبقہ دھکیل دیتا ہے اس طرح زمین کے اسباب معاش روز بروز کم اور کم تر حصہ آبادی کے پاس سمٹے چلے جاتے ہیں اور روز بروز زیادہ اور زیادہ حصہ آبادی مفلس یا مال داروں کا دستِ نگر ہوتا جاتا ہے۔

ابتداً یہ محاربہ چھوٹے پیمانہ پر شروع ہوتا ہے۔ پھر بڑھتے بڑھتے یہ ملکوں اور قوموں تک پھیلتا ہے یہاں تک کہ ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے کر بھی ہَلْ مِنْ مَزِیْد ہی کی صدا لگاتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ جب پورے ملک کا عام دستور یہ ہو جاتا ہے کہ جن لوگوں کے پاس اپنی ضرورت سے زائد مال ہو وہ اپنے فاضل مال کو نفع آور کاموں میں لگا دیں اور یہ دولت اشیائے ضرورت کی تیاری پر صرف ہو، تو اُن کی لگائی ہوئی پوری رقم کا فائدے سمیت وصول ہونا اس بات پر موقوف ہے کہ جس قدر اشیاء ملک میں تیار ہوتی ہیں وہ سب کی سب اسی ملک میں خرید لی جائیں۔ مگر عملاً ایسا نہیں ہوتا اور درحقیقت ہو نہیں سکتا۔ کیونکہ ضرورت سے کم مال رکھنے والوں کی قوتِ خریداری کم ہوتی ہے اس لئے وہ ضرورت مند ہونے کے باوجود ان چیزوں کو خرید نہیں سکتے اور ضرورت سے زیادہ مال رکھنے والے اس فکر میں ہوتے ہیں کہ جتنی آمدنی اُس میں سے ایک حصہ پس انداز کر کے نفع آور کاموں میں لگائیں، اس لئے وہ اپنا سب مال خریداری پر صرف نہیں کرتے۔ اس طرح لازمی طور پر تیار کردہ مال کا ایک حصہ فروخت ہوئے بغیر رہ جاتا ہے جس

کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ مال داروں کی لگائی ہوئی رقم کا ایک حصہ بازیافت ہونے سے رہ گیا اور یہ رقم ملک کی حرفت (Industry) کے ذمہ قرض رہی۔ یہ صرف ایک چکر کا حال ہے۔ آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ایسے جتنے چکر ہوں گے ان میں سے ہر ایک میں مال دار طبقہ اپنی حاصل شدہ آمدنی کا ایک حصہ پھر نفع آور کاموں پر لگاتا چلا جائے گا اور جو رقمیں بازیافت ہونے سے رہ جاتی ہیں' ان کی مقدار ہر چکر میں بڑھتی چلی جائے گی اور ملک کی حرفت پر ایسے قرض کا بار دوگنا' چوگنا' ہزار گنا ہوتا چلا جائے گا جس کو خود وہ ملک کبھی ادا نہیں کر سکتا۔ اس طرح ایک ملک کو دیوالیہ پن کا جو خطرہ لاحق ہوتا ہے اس سے بچنے کی کوئی صورت اس سوا نہیں کہ جتنا مال ملک میں فروخت ہونے سے رہ جائے اسے دوسرے ملکوں میں لے جا کر فروخت کیا جائے' یعنی ایسے ملک تلاش کئے جائیں جن کی طرف یہ ملک اپنے دلوالیہ پن کو منتقل کر دے۔

یوں یہ محاربہ ملکی حدود سے گزر کر بین الاقوامی دائرے میں قدم رکھتا ہے۔ اب یہ ظاہر ہے کہ کوئی ایک ملک ہی ایسا نہیں ہے جو اس شیطانی نظامِ معیشت پر چل رہا ہو' بلکہ دنیا کے اکثر ممالک کا یہی حال ہے کہ وہ اپنے آپ کو دیوالیہ پن سے بچانے کے لئے یا بالفاظِ دیگر اپنے دیوالے کو کسی اور ملک پر ڈال دینے کے لئے مجبور ہو گئے ہیں۔ اس طرح بین الاقوامی مسابقت شروع ہو جاتی ہے اور وہ چند صورتیں اختیار کرتی ہے۔

اولاً ہر ملک بین الاقوامی بازار میں اپنا مال بیچنے کے لئے کوشش کرتا ہے کہ کم سے کم لاگت پر زیادہ سے زیادہ مال تیار کرے۔ اس غرض سے کارکنوں کے معاوضے بہت کم رکھے جاتے ہیں اور اس معاشی کاروبار میں ملک کی عام آبادی اتنا کم حصہ پاتی ہے کہ اس کی اصل ضروریات بھی پوری نہیں ہوتیں۔

ثانیاً' ہر ملک اپنے حدود میں اور اپنے حلقہ اثر میں دوسرے ملک کا مال آنے پر بندشیں عائد کرتا ہے اور خام پیداوار کے جتنے وسائل اس کے زیرِ اختیار ہیں اُن پر بھی پہرے بٹھاتا ہے تاکہ دوسرا ملک اُن سے فائدہ نہ اٹھا سکے' اس سے بین الاقوامی کشمکش پیدا ہوتی ہے جس کا انجام جنگ پر ہوتا ہے۔

ثالثاً' ایسے ملک جو اس دیوالیہ پن کی مصیبت کو اپنے سر چپکے جانے سے روک نہیں سکتے اُن پر لُٹیرے ٹوٹ پڑتے ہیں اور صرف اپنے ملک کے بچے کھچے مال ہی کو اُن میں فروخت کرنے کی کوشش نہیں کرتے بلکہ جس دولت کو خود اپنے ہاں نفع آور کاموں پر لگانے کی گنجائش نہیں ہوتی اسے بھی ان ممالک میں لے جا کر لگاتے ہیں۔ اس طرح آخر کار ان ممالک میں بھی وہی مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے جو ابتداً خود

روپیہ لگانے والے ملکوں میں پیدا ہوا تھا۔ یعنی جس قدر روپیہ وہاں لگایا جاتا ہے وہ سارے کا سارا وصول نہیں ہوسکتا' اور اس روپے سے جتنی بھی آمدنی ہوتی ہے' اس کا ایک بڑا حصہ پھر مزید نفع آور کاموں میں لگا دیا جاتا ہے حتیٰ کہ ان ملکوں پر قرض کا بار اتنا بڑھتا چلا جاتا ہے کہ اگر خود ان ملکوں کو بھیج ڈالا جائے تب بھی کل لگائی ہوئی رقم بازیافت نہیں ہوسکتی۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ چکر یونہی چلتا رہے تو بالآخر تمام دنیا دیوالیہ ہوجائے گی اور روئے زمین پر کوئی خطہ ایسا باقی نہ رہے گا جس کی طرف اس دیوالیہ پن کی مصیبت کو منتقل کیا جاسکے۔ حتیٰ کہ پھر ضرورت پیش آئے گی کہ مشتری اور مریخ اور عطارد میں روپیہ لگانے اور زائد مال کو کھپانے کے لئے مارکیٹ تلاش کئے جائیں۔

اس عالمگیر محاربہ میں بینکروں' آڑھتیوں اور صنعت وتجارت کے رئیسوں کی ایک مٹھی بھر جماعت تمام دنیا کے معاشی اسباب ووسائل پر اس طرح حاوی ہوگئی ہے کہ ساری نوعِ انسانی ان کے مقابلہ میں بالکل بے بس ہے۔ اب کسی شخص کے لئے یہ قریب قریب ناممکن ہوگیا ہے کہ اپنے ہاتھ پاؤں کی محنت سے اور اپنے دماغ کی قابلیت سے کوئی آزادانہ کام کرسکے اور خدا کی زمین پر جو اسبابِ زندگی موجود ہیں اُن میں سے خود کوئی حصّہ حاصل کرسکے۔ چھوٹے تاجر' چھوٹے صناع' چھوٹے زراعت پیشہ لوگوں کے لئے آج دنیا کے عرصہ حیات میں ہاتھ پاؤں مارنے کی گنجائش باقی نہیں رہی ہے۔ سب کے سب مجبور ہیں کہ معاشی کاروبار کے ان بادشاہوں کے غلام اور نوکر اور مزدور بن کر رہیں اور یہ لوگ کم سے کم سامانِ زیست کے معاوضے میں ان کے جسم ودماغ کی ساری قوتیں اور ان کا سارا وقت لے لیتے ہیں جس کی وجہ سے پوری نوعِ انسانی بس ایک معاشی حیوان بن کر رہ گئی ہے۔ بہت کم خوش قسمت انسانوں کو اس معاشی کشمکش میں اتنی فرصت نصیب ہوتی ہے کہ اپنے اخلاقی' عقلی روحانی ارتقاء کے لئے بھی جو کچھ کرسکیں اور پیٹ بھرنے سے بالاتر بھی کسی مقصد کی طرف توجہ کرسکیں اور اپنی شخصیت کے ان عناصر کو بھی نشوونما دے سکیں جو تلاشِ معاش کے سوا دوسری پاکیزہ تر اغراض کے لئے خدا نے ان کے اندر ودیعت کئے تھے۔ درحقیقت اس شیطانی نظام کی بدولت معاشی کشمکش اس قدر سخت ہوجاتی ہے کہ زندگی کے تمام دوسرے شعبے اس سے ماؤف ومعطل ہوجاتے ہیں۔

انسان کی مزید بدنصیبی یہ ہے کہ دنیا کے اخلاقی فلسفے' سیاسی نظامات اور قانونی اصول بھی اس شیطانی نظامِ معیشت سے متاثر ہوگئے۔ مشرق سے مغرب تک ہر طرف اخلاقی معلمین کفایت

شعاری پر زور دے رہے ہیں۔ جتنا کمانا اتنا ہی خرچ کر دینا ایک حماقت اور اخلاقی عیب سمجھا جاتا ہے۔ اور ہر شخص کو یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ اپنی آمدنی میں سے کچھ نہ کچھ پس انداز کر کے بینک میں ڈپازٹ رکھے، یا انشورنس پالیسی خریدے، یا کمپنیوں کے شیئرز حاصل کرے۔ گویا جو چیز انسانیت کو تباہ کرنے والی ہے وہی اخلاق کی نظر میں معیارِ خوابی بن گئی ہے۔ رہی سیاسی طاقت تو وہ عملاً بالکل ہی ایک شیطانی نظام کے قبضے میں آ چکی ہے۔ وہ بجائے اس کے کہ اس ظلم سے انسان کو بچائے، ظلم کا آلہ کار بنی ہوئی ہے اور ہر طرف حکومت کی گدیوں پر شیطان کے ایجنٹ بیٹھے نظر آتے ہیں۔ اسی طرح دنیا کے قوانین بھی اسی نظام کے زیر اثر مرتب ہو رہے ہیں۔ ان قوانین نے عملاً افراد کو پوری آزادی دے رکھی ہے کہ جس طرح چاہیں جماعت کے مفاد کے خلاف اپنی معاشی اغراض کے لئے جدوجہد کریں۔ روپیہ کمانے کے طریقوں میں جائز اور ناجائز کا امتیاز قریب قریب مفقود ہے۔ ہر وہ طریقہ جس سے کوئی شخص دوسروں کو لوٹ کر یا تباہ کر کے مالدار بن سکتا ہو، قانون کی نظر میں جائز ہے۔ شراب بنائیے اور بیچئے، بداخلاقی کے اڈے قائم کیجئے، شہوانی فلم بنائیے، فحش مضامین لکھئے، جذبات کو بھڑکانے والی تصویریں شائع کیجئے، سٹے کا کاروبار پھیلائیے، سودخواری کے ادارے قائم کیجئے، قمار بازی کی نئی نئی صورتیں نکالئے، غرض جو چاہے کیجئے، قانون نہ صرف آپ کو اس کی اجازت دے گا بلکہ الٹی آپ کے حقوق کی حفاظت کرے گا۔ پھر جو دولت اس طریقے سے سمٹ کر ایک شخص کے پاس جمع ہوگئی ہو۔ قانون یہ چاہتا ہے کہ وہ اس کے مرنے کے بعد بھی ایک ہی جگہ کٹی رہے۔ چنانچہ اولاد اکبر کے وارث ہونے کا طریقہ (Rule of Primogeniture) اور بعض قوانین میں متبنیٰ بنانے کا طریقہ اور مشترک خاندان کا طریقہ (Joint Family System) ان سب کی غرض یہی ہے کہ خزانے کا ایک سانپ جب مرے تو دوسرا سانپ اس پر بٹھا دیا جائے اور اگر بدقسمتی سے اس سانپ نے کوئی سپولیا نہ چھوڑا ہو تو کہیں اور اسے ایک سپولیا حاصل کیا جائے تاکہ دولت کے اس سمٹاؤ میں فرق نہ آنے پائے۔

یہ اسباب ہیں جن سے نوعِ انسانی کے لئے یہ مسئلہ پیدا ہوا ہے کہ خدا کی اس زمین پر ہر شخص کو سامانِ زیست بہم پہنچنے کا انتظام کس طرح کیا جائے اور ہر شخص کو اپنی استعداد کے مطابق ترقی کرنے اور اپنی شخصیت کو نشوونما دینے کے مواقع کیسے ملیں۔

اشتراکیت کا تجویز کردہ حل

اس مسئلہ کے حل کی ایک صورت اشتراکیت نے تجویز کی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ پیدائشِ دولت کے وسائل افراد کی ملکیت سے نکال کر جماعتی ملکیت بنا دیے جائیں اور ضروریاتِ زندگی کو افراد پر تقسیم کرنے کا نا نظام بھی جماعت ہی کے سپرد ہو۔ بظاہر یہ حل نہایت معقول نظر آتا ہے' لیکن اس کے عملی پہلوؤں پر آپ جس قدر غور کریں گے' اُسی قدر آپ پر اس کے نقائص کھلتے چلے جائیں گے' یہاں تک کہ آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ آخر کار اس کے نتائج بھی اتنے ہی خراب ہیں جتنے اُس بیماری کے نتائج ہیں جس کا علاج کرنے کے لئے اُسے اختیار کیا گیا ہے۔ یہ بالکل ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ وسائل پیدائش سے کام لینے اور پیداوار کو تقسیم کرنے کا انتظام خواہ نظری طور پر پوری جماعت کے حوالے کر دیا جائے مگر عملاً یہ کام ایک مختصر سی ہیئت انتظامیہ (Executive) ہی کے سپرد کرنا ہوگا ۔ یہ مختصر گروہ ابتداً جماعت (Community) ہی کا منتخب کردہ سہی' لیکن جب تمام ذرائع معاش اس کے قبضہ میں ہوں گے اور اُسی کے ہاتھوں سے لوگوں تک پہنچ سکیں گے تو تمام آبادی اس کی مٹھی میں بے بس ہو جائے گی۔ اس کی رضا کے خلاف ملک میں کوئی دم تک نہ مار سکے گا۔ اس کے مقابلہ میں کوئی ایسی منظّم طاقت اُبھر ہی نہ سکے گی جو اس کو منصب اقتدار سے ہٹا سکے۔ اُس کی نظر کسی سے پھر جانے کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ قصوروار بندہ اس سرزمین میں زندگی بسر کرنے کے تمام وسائل سے محروم ہو جائے۔ کیونکہ سارے وسائل پر اس مختصر گروہ کا تسلط ہوگا۔ مزدور میں اتنا یارانہ ہوگا کہ اس کے انتظام سی نراض ہو تو اسٹرائک کر دے۔ کیونکہ وہاں بہت سے کارخانہ دار نہ ہوں گے کہ ایک کے در سے اُٹھے تو دوسرے کے دروازے پر چلا جائے' بلکہ سارے ملک میں ایک ہی کارخانہ دار ہوگا اور وہی حکمران بھی ہوگا اور اس کے خلاف کسی رائے عام کی ہمدردی بھی حاصل نہ کی جا سکے گی۔ اس طرح یہ صورت جس نتیجہ پر جا کر ختم ہوگی وہ یہ ہے کہ تمام سرمایہ داروں کو کھا کر ایک بڑا سرمایہ دار' تمام کارخانہ داروں اور زمینداروں کو کھا کر ایک بڑا کارخانہ دار و زمیندار لوگوں پر سلط ہو جائے۔ اور وہی بیک وقت زار اور قیصر بھی ہو۔

اوّل تو یہ اقتدار اور ایسا مطلق اقتدار وہ چیز ہے جس کے نشہ میں بہک کر ظالم و جابر بننے سے رُک جانا انسان کے لئے بہت مشکل ہے' خصوصاً جب کہ وہ اپنے اوپر کسی خدا کا اور اُس کے امنے جواب دہی کا

اعتقاد بھی نہ رکھتا ہو۔ تاہم اگر یہ مان لیا جائے کہ ایسے اقتدارِ مطلق پر قابض ہونے کے بعد یہ بھی مختصراً گروہ آپے سے باہر نہ ہوگا اور عدل وانصاف ہی کے ساتھ کام کرے گا تب بھی ایسے ایک نظام میں افراد کے لئے اپنی شخصیت کو نشوونما دینے کا کوئی موقع نہیں ہوسکتا۔ انسانی شخصیت اپنے ارتقاء کے لئے سب سے بڑھ کر جس چیز کی محتاج ہے وہ یہ ہے کہ اُسے آزادی حاصل ہو، کچھ وسائلِ کار اس کے اپنے ہاتھ میں ہوں جنہیں وہ اپنے اختیار سے استعمال کر سکے اور ان وسائل پر اپنے رجحان کے مطابق کام کر کے اپنی مخفی قوتوں کو اُبھارے اور چمکائے۔ مگر اشتراکی نظام میں اس کا کوئی امکان نہیں۔ اس میں وسائل افراد کے اختیار میں نہیں رہتے بلکہ جماعت کی ہیئت انتظامیہ کے ہاتھوں میں چلے جاتے ہیں، اور وہ ہیئت انتظامیہ جماعتی مفاد کا جو تصور رکھتی ہے اسی کے مطابق ان وسائل کو استعمال کرتی ہے۔ افراد کے لئے اس کے سوا چارہ نہیں کہ اگر وہ ان وسائل سے استفادہ کرنا چاہیں تو اُس کا نقشہ کے مطابق کام کریں، بلکہ اُسی نقشہ کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالے جانے کے لئے ان منتظمین کے سپرد کر دیں جو انہوں نے جماعتی مفاد کے لئے تجویز کیا ہے۔ یہ چیز عملاً سوسائٹی کے تمام افراد کو چند انسانوں کے قبضہ میں اس طرح سے دیتی ہے کہ گویا وہ سب بے روح مواد خام ہیں۔ اور جیسے چمڑے کے جوتے اور لوہے کے پُرزے بنائے جاتے ہیں اس طرح وہ چند انسان مختار ہیں کہ ان بہت سے انسانوں کو اپنے نقشہ کے مطابق ڈھالیں اور بنائیں۔

انسانی تمدن وتہذیب کے لئے اس کا نقصان اس قدر زیادہ ہے کہ اگر بالفرض اس نظام کے تحت ضروریاتِ زندگی انصاف کے ساتھ تقسیم بھی ہوں تو اُس کا فائدہ اُس نقصان کے مقابلہ میں ہیچ ہو جاتا ہے۔ تمدن وتہذیب کی ساری ترقی منحصر ہے اس پر کہ مختلف انسان جو مختلف قسم کی قوتیں اور قابلیتیں لے کر پیدا ہوتے ہیں ان کو پوری طرح نشوونما پانے اور پھر اپنا اپنا حصہ اس مشترک زندگی میں ادا کرنے کا موقع ملے یہ بات ایسے نظام میں حاصل نہیں ہوسکتی جس کے اندر انسانوں کا پلاننگ (Planning) کیا جاتا ہو۔ چند انسان، خواہ وہ کتنے ہی لائق اور کتنے ہی نیک اندیش ہوں، بہرحال اتنے علیم وخبیر نہیں ہوسکتے کہ لاکھوں اور کروڑوں آدمیوں کی خلقی قابلیتوں اور ان کے فطری رجحانات کا صحیح اندازہ کر سکیں اور پھر ان کے نشوونما کا ٹھیک ٹھیک راستہ متعین کر سکیں۔ وہ اس میں علم کے اعتبار سے بھی غلطی کریں گے، اور جماعتی مفاد یا جماعتی ضروریات کے متعلق جو تخمینہ ان کے ذہن میں ہوگا اس کے لحاظ سے بھی یہ چاہیں گے کہ ان کے زیرِ اثر انسانوں کی جتنی آبادی ہو وہ ان کے نقشہ پر ڈھال دی جائے۔ اس سے تمدن کی گونا گونی

ختم ہو کر ایک بے روح یکسانی میں تبدیل ہو جائے گی۔ اس سے تمدن کا فطری ارتقاء بند اور ایک طرح کا مصنوعی اور جعلی ارتقاء شروع ہو جائے گا۔ اس سے انسانی قوتیں ٹھٹھرتی چلی جائیں گی اور بالاخر ایک شدید ذہنی و اخلاقی انحطاط رونما ہوگا۔ انسان بہر حال چمن کی گھاس اور بیل بوٹے نہیں ہیں کہ ایک مالی انہیں کانٹ چھانٹ کر مرتب کرے اور وہ اسی کے نقشہ پر بڑھتے اور گھٹتے رہیں۔ ہر آدمی اپنا ایک تشخص رکھتا ہے جو اپنی فطری رفتار پر بڑھنا چاہتا ہے۔ تم اس کی یہ آزادی سلب کرو گے تو وہ تمہارے نقشہ پر نہیں بڑھے گا۔ بلکہ بغاوت کرے گا یہ مرجھا کر رہ جائے گا۔

اشتراکیت کی بنیادی غلطی یہ ہے کہ وہ معاش کے مسئلہ کو مرکزی مسئلہ قرار دے کر پوری انسانی زندگی کو اس کے گرد گما دیتی ہے۔ زندگی کے کسی مسئلہ پر بھی اس کی نظر مجرد تحقیقی نظر نہیں ہے۔ بلکہ سارے مسائل کو وہ ایک گہرے معاشی تعصب کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ مابعد الطبیعیات اخلاق' تاریخ' سائنس' علوم عمران' غرض ہر چیز اس کے دائرے میں معاشی نقطہ نظر سے مغلوب و متاثر ہے اور اس یک رُخے پن کی وجہ سے زندگی کا پورا توازن بگڑ جاتا ہے۔

فاشزم کا حل

پس درحقیقت اشتراکی نظریہ انسان کے معاشی مسئلہ کا صحیح فطری حل نہیں ہے بلکہ ایک غیر فطری مصنوعی حل ہے۔ اس کے مقابلہ میں دوسرا فاشزم اور نیشنل سوشلزم نے پیش کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ وسائلِ معیشت پر شخصی تصّرف تو باقی رہے' مگر جماعتی مفاد کی خاطر اس تصرف کو ریاست کے مضبوط کنٹرول میں رکھا جائے۔ لیکن عملاً اس کے نتائج بھی اشتراکی نظریہ کے نتائج سے کچھ زیادہ مختلف نظر نہیں آتے۔ اشتراکیت کی طرح یہ نظریہ بھی فرد کو جماعت میں گم کر دیتا ہے اور اس کی شخصیت کے آزادانہ نشو ونما کا کوئی موقع باقی نہیں چھوڑتا۔ مزید برآں جو ریاست اس شخصی تصرف کو قابو میں رکھتی ہے وہ اتنی ہی مستبد اور جابر و قاہر ہوتی ہے جتنی اشتراکی ریاست۔ ایک بڑے ملک کی تمام حرفت کو اپنے پنجۂ اقتدار میں رکھنے اور اپنے دیئے ہوئے نقشہ پر کام کرنے کے لئے مجبور کرنا بڑی زبردست قوتِ قاہرہ چاہتا ہے اور جس ریاست کے ہاتھ میں ایسی قاہرانہ طاقت ہو اُس کے ہاتھ میں ملک کی آبادی کا بے بس ہو جانا اور حکمرانوں کا غلام بن کر رہ جانا بالکل یقینی ہے۔

اسلام کا حل

اب میں یہ بتاؤں گا کہ اسلام کس طرح اس مسئلے کو حل کرتا ہے۔

اسلام نے تمام مسائلِ حیات میں اس قاعدے کو ملحوظ رکھا ہے کہ زندگی کے جو اصول فطری ہیں ان کو جوں کا توں برقرار رکھا جائے اور فطرت کے راستے سے جہاں انحراف ہوا ہے وہیں سے اس کو موڑ کر فطرت کے راستے پر ڈال دیا جائے۔ دوسرا اہم قاعدہ جس پر اسلام کی تمام اجتماعی اصلاحات مبنی ہیں وہ یہ ہے کہ صرف خارجی طور پر نظام تمدن میں چند ضابطے جاری کرنے ہی پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ سب سے زیادہ زور اخلاق اور ذہنیت کی اصلاح پر صرف کیا جائے تاکہ نفس انسانی میں خرابی کی جڑ کٹ جائے۔ تیسرا اساسی قاعدہ جس کا نشان آپ کو تمام اسلامی نظامِ شریعت میں ملے گا یہ ہے کہ حکومت کے جبر اور قانون کے زور سے صرف وہیں کام لیا جائے جہاں ایسا کرنا ناگزیر ہو۔ ان تین قاعدوں کو زیادہ سے زیادہ اخلاقی اصلاح اور کم سے کم حکومتی مداخلت کے ذریعہ سے مٹاتا ہے۔ جو شیطانی اثر سے انسان نے اختیار کئے ہیں۔ یہ امر کہ انسان اپنی معاش کے لئے جدوجہد کرنے میں آزاد ہو' یہ بات کہ آدمی اپنی محنت سے جو کچھ حاصل کرے اس پر اسے حقوق مالکانہ حاصل ہو۔ اور یہ کہ انسانوں کے درمیان ان کی قابلیتوں کو اسلام اُس حد تک تسلیم کرتا ہے جس حد تک یہ منشاء فطرت کے مطابق ہیں۔ پھر وہ ان پر ایسی پابندیاں عائد کرتا ہے جو انہیں حدِ فطرت سے متجاوز اور ظلم و بے انصافی کا موجب نہ بننے دیں۔

سب سے پہلے دولت کمانے کے سوال کو لیجئے۔ اسلام نے انسان کے اس حق کو تسلیم کیا ہے کہ خدا کی زمین میں وہ اپنی طبیعت کے رجحان اور اپنی استعداد و قابلیت کے مطابق خود اپنی زندگی کا سامنا تلاش کرے۔ لیکن وہ اس کو یہ حق نہیں دیتا کہ وہ اپنی معاش حاصل کرنے کے لئے اخلاق کو خراب کرنے والے یا تمدن کے نظام کو بگاڑنے والے ذرائع اختیار کرے۔ وہ کسبِ معاش کے ذرائع میں حرام اور حلال کی تمیز قائم کرتا ہے اور نہایت تفصیل کے ساتھ چن چن کر ایک ایک نقصان رساں طریقہ کو حرام کر دیتا ہے۔ اس کے قانون میں شراب اور دوسری نشہ آور چیزیں نہ صرف بجائے خود حرام ہیں' بلکہ ان کا بننا' بیچنا' خریدنا' رکھنا سب حرام ہے۔ وہ زنا اور رقص و سرود اور اسی قسم کے دوسرے ذرائع کو بھی جائز ذرائع کسب معاش تسلیم نہیں کرتا۔ وہ ایسے تمام وسائل معیشت کو بھی ناجائز ٹھیراتا ہے جن میں ایک شخص کو فائدہ

دوسرے لوگوں کے یا سوسائٹی کے نقصان پر مبنی ہو۔ رشوت، چوری، جوا اور سٹہ، دھوکے اور فریب کے کاروبار، اشیائے ضرورت کو اس غرض سے روک رکھنا کہ قیمتیں گراں ہوں، معاشی وسائل کو کسی ایک شخص یا چند اشخاص کا اجارہ قرار دینا کہ دوسروں کے لئے جدوجہد کا دائرہ تنگ ہو، ان سب طریقوں کو اس نے حرام ٹھہرایا ہے۔ نیز کاروبار کی ایسی تمام شکلوں کو اس نے چھانٹ چھانٹ کر ناجائز قرار دیا ہے جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے نزاع (Litigation) پیدا کرنے والی ہوں، یا جن میں نفع ونقصان بالکل بخت واتفاق پر مبنی ہو، یا جن میں فریقین کے درمیان حقوق کا تعین نہ ہو۔ اگر آپ اسلام کے اس تجارتی قانون کا تفصیلی مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ آج جن طریقوں سے لوگ کروڑ پتی اور ارب پتی بنتے ہیں، ان میں سے بیشتر طریقے وہ ہیں جن پر اسلام نے سخت قانونی بندشیں عائد کردی ہیں۔ وہ جن وسائلِ کسب معاش کو جائز ٹھیراتا ہے اُن کے دائرے میں محدود رہ کر کام کیا جائے تو اشخاص کے لئے بے اندازہ دولت سمیٹتے چلے جانے کا بہت کم امکان ہے۔

اب دیکھئے، جائز ذرائع سے جو کچھ انسان حاصل کرے اُس پر اسلام اُس شخص کے حقوق ملکیت تو تسلیم کرتا ہے، مگر اُس کے استعمال میں اُسے بالکل آزاد نہیں چھوڑتا بلکہ اس پر بھی متعدد طریقوں سے پابندیاں عائد کرتا ہے ظاہر ہے کہ اس کمائی ہوئی دولت کے استعمال کی تین ہی صورتیں ممکن ہیں یا اس کو خرچ کیا جائے یا اسے مزید نفع آور کاموں پر لگایا جائے۔ یا اسے جمع کیا جائے۔ ان میں سے ایک ایک پر اسلام نے جو پابندیاں عائد کی ہیں ان کی مختصر کیفیت میں یہاں بیان کرتا ہوں۔

خرچ کرنے کے جتنے طریقے اخلاق کو نقصان پہنچانے والے ہیں یا جن سے سوسائٹی کو نقصان پہنچتا ہے وہ سب ممنوع ہیں۔ آپ جوئے میں اپنی دولت نہیں اڑا سکتے۔ آپ شراب نہیں پی سکتے۔ آپ زنان نہیں کر سکتے، آپ گانے بجانے اور ناچ رنگ اور عیاشی کی دوسری صورتوں میں اپنا روپیہ نہیں بہا سکتے۔ آپ ریشمی لباس نہیں پہن سکتے۔ آپ سونے اور جواہر کے زیورات استعمال نہیں کر سکتے۔ آپ تصویروں سے اپنی دیواروں کو مزین نہیں کر سکتے۔ غرض یہ کہ اسلام نے اُن تمام دروازوں کو بند کر دیا ہے جن سے انسان کی دولت کا بیشتر حصہ اس کی اپنی نفس پرستی پر صرف ہو جاتا ہے وہ خرچ کی جن صورتوں کو جائز رکھتا ہے وہ اس قسم کی ہیں کہ آدمی بس ایک اوسط درجہ کی شستہ اور پاکیزہ زندگی بسر کرلے۔ اس سے زائد اگر کچھ بچتا ہو تو اُسے خرچ کرنے کا راستہ اس نے یہ تجویز کیا ہے کہ اُسے نیکی اور بھلائی کے کاموں میں، رفاہ

عام میں اور ان لوگوں کی امداد میں صرف کیا جائے جو معاشی دولت میں سے اپنی ضرورت کے مطابق حصہ پانے سے محروم رہ گئے ہیں۔ اسلام کے نزدیک بہترین طرزِ عمل یہ ہے کہ آدمی جو کچھ کمائے اُسے اپنی جائز اور معقول ضرورتوں پر خرچ کرے۔ اس صفت کو اسلام نے بلند ترین اخلاق کے معیاروں میں داخل کیا ہے اور ایک آئیڈیل کی حیثیت سے اس کو اتنے زور کے ساتھ پیش کیا ہے کہ جب کبھی سوسائٹی پر اسلامی اخلاقیات کا اثر غالب ہوگا' اجتماعی زندگی میں وہ لوگ زیادہ عزت کی نگاہ سے دیکھے جائیں گے جو کمائیں اور خرچ کر دیں اور ان لوگوں کو اچھی نگاہ سے نہ دیکھا جائے گا جو دولت کو سمیٹ سمیٹ کر رکھنے کی کوشش کریں' یا کمائی ہوئی دولت کے بچے ہوئے حصے کو پھر کمانے کے کام میں لگانا شروع کر دیں۔

تاہم مجرّد اخلاقی تعلیم کے ذریعہ سے اور سوسائٹی کے اخلاقی اثر اور دباؤ سے غیر معمولی حرص وطمع رکھنے والے لوگوں کی کمزور کا بالکل استیصال نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے باوجود پھر بھی بہت سے ایسے لوگ باقی رہیں گے جو اپنی ضرورت سے زیادہ کمائی ہوئی دولت کو پھر مزید ضرورت دولت کمانے میں لگانا چاہیں گے' اس لئے اسلام اس کے استعمال کے طریقوں پر چند قانونی پابندیاں عائد کردی ہیں۔ اس بچی ہوئی دولت کے استعمال کا یہ طریقہ کہ اسے سود پر چلایا جائے اسلامی قانون میں قطعی جرام ہے۔ اگر آپ کسی کو اپنا مال قرض دیتے ہیں تو خواہ اس نے وہ قرض اپنی ضرورتوں پر خرچ کے لئے لیا ہو' یا وسیلہ معاش پیدا کرنے کے لئے' بہرحال آپ اُس سے صرف اپنا اصل مال ہی واپس لینے کے حق دار ہیں۔ اس طرح اسلام ظالمانہ سرمایہ داری کی کمر توڑ دیتا ہے اور اُس سب سے بڑے ہتھیار کو کُند کر دیتا ہے جس کے ذریعہ سے سرمایہ دار محض اپنے سرمایہ کے بل پر آس پاس کی معاشی دولت سمیٹتا چلا جاتا ہے رہا فاضل دولت کے استعمال کا یہ طبقہ کہ اسے انسان خود اپنی تجارت یا صنعت وحرفت یا دوسرے کاروبار میں لگائے یا دوسروں کے ساتھ نفع ونقصان کا شریک ہوکر سرمایہ فراہم کرے تو اسلام اُسے جائز رکھتا ہے' اور اُس سے جو زائد ضرورت دولت اشخاص کے پاس سمٹ جاتی ہے اس کا علاج دوسرے طریقوں سے کرتا ہے۔

اسلام نے زائد ضرورت دولت کے جمع کرنے کو معیوب قرار دی اہے۔ جیسا کہ میں ابھی کہہ چکا ہوں' اس کا مطالبہ یہ ہے کہ جو کچھ مال تمہارے پاس ہے یا تو اسے اپنی ضروریات خریدنے پر صرف کر دیا دوسروں کو دو کہ وہ اس سے اپنی ضروریات خریدیں اور اس طرح پوری دولت برابر گردش میں آتی رہے۔ لیکن اگر تم ایسا نہیں کرتے اور جمع کرنے ہی پر اصرار کرتے ہو تو تمہاری اس جمع کردہ دولت میں سے

از روئے قانون ڈھائی فیصد سالانہ رقم نکلوالی جائے گی۔ اور اسے ان لوگوں کی اعانت پر صرف کیا جائے گا جو معاشی جدوجہد میں حصہ لینے کے قابل نہیں ہیں' یا سعی و جہد کرنے کے باوجود اپنا پورا حصہ پانے سے محروم جاتے ہیں۔ اسی چیز کا نام زکواۃ ہے اور اس کے انتظام کی صورت جو اسلام نے تجویز کی ہے وہ یہ ہے کہ اسے جماعت کے مشترک خزانہ میں جمع کیا جائے اور خزانہ ان تمام لوگوں کی ضروریات کا کفیل بن جائے جو مدد کے حاجب مند ہیں۔ یہ دراصل سوسائٹی کے لئے انشورنس کی بہترین صورت ہے' اور ان تمام خرابیوں کا استیصال کرتی ہے جو اجتماعی امداد و معاونت کا کوئی باقاعدہ انتظام نہ ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ سرمایہ داری نظام میں جو چیز انسان کو دولت جمع کرنے اور اسے نفع آور کاموں میں لگانے پر مجبور کرتی ہے اور جن کی وجہ سے لائف انشورنس وغیرہ کی ضرورت پیش آتی ہے وہ یہ ہے کہ ہر شخص کی زندگی اس نظام میں اپنے ہی ذرائع پر منحصر ہے۔ بوڑھا ہو جائے اور کچھ بچا کر نہ رکھا ہو تو بھوکا مر جائے۔ بال بچوں کے لئے کچھ چھوڑے بغیر مرے تو وہ در بدر مارے مارے پھریں اور بھیک کا ٹکڑا تک نہ پا سکیں۔ بیمار ہو جائے اور کچھ بچا بچایا نہ رکھا ہو تو علاج تک نہ کرا سکے۔ گھر جل جائے یا کاروبار میں نقصان ہو' یا کوئی اور آفت ناگہانی آ جائے تو کسی طرف سے اس کو سہارا ملنے کی امید نہیں۔ اسی طرح سرمایہ داری نظام میں جو چیز محنت پیشہ لوگوں کو سرمایہ داروں کا زر خرید غلام بن جانے اور ان کی شرائط پر کام کرنے کے لئے مجبور کرتی ہے وہ بھی یہی ہے کہ جو کچھ اس کی محنت کا معاوضہ سرمایہ دار دیتا ہے اسے لینا اگر غریب آدمی قبول نہ کرے تو فاقہ کرے اور ننگا پھرے۔ سرمایہ دار کی بخشش سے منہ موڑ کر اسے دو وقت کی روٹی میسر آنی مشکل ہے۔ پھر یہ لعنتِ کبریٰ جو آج سرمایہ داری نظام کی بدولت دنیا پر مسلط ہے کہ ایک طرف لاکھوں کروڑوں انسان حاجب مند موجود ہیں اور دوسری طرف زمین کی پیداوار اور کارخانوں کی مصنوعات کے انبار لگے ہوئے ہیں مگر خریدے نہیں جا سکتے۔ حتیٰ کہ لاکھوں من گیہوں سمندر میں پھینکا جاتا ہے اور بھوکے انسانوں کے پیٹ تک نہیں پہنچتا' اس کا سبب بھی یہی ہے کہ حاجت مند انسانوں تک وسائلِ معیش پہنچانے کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ اُن سب کے اندر قوتِ خریداری پیدا کر دی جائے اور وہ اپنے حسب حاجب اشیاء خریدنے کے قابل ہو جائیں تو صنعت' تجارت' زراعت' غرض ہر انسانی حرفت پھلتی پھولتی چلی جائے۔ اسلام زکواۃ اور بیت المال کے ذریعہ سے ان ساری خرابیوں کا استیصال کرتا ہے۔ بیت المال ہر وقت آپ کی پشت پر ایک مددگار کی حیثیت سے موجود ہے۔ آپ کو فکر فردا کی ضرورت نہیں۔

جب آپ حاجت مند ہوں بیت المال میں جائیے اور اپنا حق لے آئیے۔ پھر بینک ڈپازٹ اور انشورنس کی پالیسی کی کیا ضرورت؟ آپ کے پیچھے جماعت کا خزانہ ان کا کفیل ہے۔ بیماری، بڑھاپے، آفاتِ ارضی وسماوی، ہر صورتحال میں بیت المال وہ دائمی مددگار ہے جس کی طرف آپ رجوع کر سکتے ہیں۔ سرمایہ دار آپ کو مجبور نہیں کر سکتا کہ آپ اسی کی شرائط پر کام کرنا قبول کریں۔ بیت المال کی موجودگی میں آپ کے لئے فاقے اور برہنگی، اور بے سائیگی کا کوئی خطرہ نہیں۔ پھر یہ بیت المال سوسائٹی کے تمام ان لوگوں کو اشیائے ضرورت خریدنے کے قابل بنا دیتا ہے جو دولت پیدا کرنے کے بالکل نقابل ہوں یا کم پیدا کر رہے ہوں۔ اس طرح مال کی تیاری اور اس کی کھپت کا توازن پیہم قائم رہتا ہے اور اس کی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ آپ اپنے دیوالیہ پن کو دنیا بھر کے سرچشمے کے لئے دوڑتے پھریں اور آخر کار دوسرے سیاروں تک پہنچنے کی ضرورت پیش آئے۔

زکواۃ کے علاوہ دوسری تدبیر جو ایک سمٹی ہوئی دولت کو پھیلانے کے لئے اسلام نے اختیار کی ہے وہ قانونِ وراثت ہے۔ اسلام کے سوا دوسرے قوانین کا رجحان اس طرح ہے کہ جو دولت ایک شخص نے زندگی بھر سمیٹی ہی وہ اس کے مرنے کے بعد بھی سمٹی رہے۔ مگر اس کے برعکس اسلام یہ طریقہ اختیار کرتا ہے کہ جس دولت کو ایک شخص سمیٹ سمیٹ کر قید کرتا رہا ہے، اس کے مرتے ہی وہ پھیلا دی جائے۔ اسلامی قانون میں بیٹے، بیٹیاں، باپ، ماں، بیوی، بھائی، بہن سب ایک شخص کے وارث ہیں اور ایک ضابطہ کے مطابق سب یہ میراث تقسیم ہونی ضروری ہے۔ قریبی رشتہ دار موجود نہ ہوں تو دور پرے کے رشتہ دار تلاش کئے جائیں گے ان میں یہ دولت پھیلائی جائے گی۔ کوئی رشتہ دار سرے سے موجود ہی نہ ہو، تب بھی آدمی کو متبنیٰ بنانے کا حق نہیں ہے۔ اس صورت میں اس کی وارث پوری جماعت ہے۔ اس کی سمیٹی ہوئی تمام دولت بیت المال میں داخل کر دی جائے گی۔ اس طرح خواہ کوئی شخص کروڑوں اور اربوں کی دولت جمع کر لے، اس کے مرنے کے بعد دو تین پشتوں کے اندر وہ سب کی سب چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم ہو کر پھیل جائے گی۔ اور دولت کا ہر سمٹاؤ بتدریج پھیلاؤ میں تبدیل ہو کر رہے گا۔

یہ نظامِ معیشت جس کا نہایت مختصر سا نقشہ میں نے پیش کیا ہے اس پر غور کیجئے۔ کیا یہ شخصی ملکیت کے ان تمام نقصانات کو دور نہیں کر دیتا جو شیطان کی غلط تعلیم کے سبب سے رونما ہوتے ہیں؟ پھر آخر اس کی کیا حاجب ہے کہ ہم اشتراکی نظریہ یا فاشزم اور نیشنل سوشلزم کے نظریات کو اختیار کر کے معاشی انتظام کے وہ

مصنوعی طریقے استعمال کریں جو ایک خرابی کو دور نہیں کرتے بلکہ اس کی جگہ دوسری خرابی پیدا کر دیتے ہیں؟ یہاں میں نے اسلام کے پورے نظامِ معاشی کو بیان نہیں کیا ہے۔ زمین کے انتظام اور کاروباری نزاعات Trade Disptes کے تصفیہ اور صنعت و حرفت کے لئے سرمایہ کی فراہمی کی جو صورتیں اسلام کے اصول پر اختیار کی جاسکتی ہیں اور اجن کے لئے قانونِ اسلام میں پوری گنجائش رکھی گئی ہے انہیں اس مختصر مقالہ میں پیش کرنا مشکل ہے۔ نیز اسلام نے جس طرح درآمد برآمد کے محصولات اور اندرونِ ملک میں اموالِ تجارت کی نقل و حرکت پر چنگی کی پابندیوں کو اڑا کر اشیائے ضرورت کے آزاد مبادلہ کا راستہ کھولا ہے اس کا ذکر بھی میں نہیں کر سکا ہوں۔ ان سب سے بڑھ کر مجھے یہ بیان کرنے کا موقع نہیں ملا کہ ملکی انتظام اور سول سروس اور فوج کے مصارف کو انتہائی ممکن حد تک گھٹا کر اور عدالت سے اسٹامپ ڈیوٹی کو قطعی طور پر ہٹا کر اسلام نے سوسائٹی پر سے جس عظیم الشان معاشی بوجھ کو ہلکا کیا ہے اور ٹیکسوں کو انتظام کے حد سے بڑھے ہوئے مصارف میں کھپا دینے کے بجائے سوسائٹی کی آسائش اور بہتری پر صرف کرنے کے لئے جو مواقع اس نے پیدا کئے ہیں ان کی بدولت اسلام کا معاشی نظام انسان کے لئے کتنی بڑی رحمت بن جاتا ہے۔ اگر تعصب کو چھوڑ دیا جائے اور آباؤ اجداد سے جو جاہلانہ تنگ نظری وراثت میں ملی ہے، یا غیر اسلامی نظامات کی دنیا پر غالب آجانے سے جو مرعوبیت دماغوں پر چھا گئی ہے اُسے دور کر کے آزاد تحقیق کی نگاہ سے اس نظام کا مطالعہ کیا جائے تو میں توقع کرتا ہوں کہ ایک بھی معقول و منصف مزاج آدمی ایسا نہ ملے گا جو انسان کی معاشی فلاح کے لئے اس نظام کو سب سے زیادہ مفید، صحیح اور معقول تسلیم نہ کرے۔ لیکن اگر کسی شخص کے ذہن میں یہ غلط فہمی ہو کہ اسلام کے پورے اعتقادی، اخلاقی، تمدنی مجموعہ میں سے صرف اس کے معاشی نظام کو لے کر کامیابی کے ساتھ چلایا جا سکتا ہے تو میں عرض کروں گا کہ براہِ کرم وہ اس غلط فہمی کو دل سے نکال دے۔ اس معاشی نظام کا گہرا ربط اسلام کے سیاسی، عدالتی و قانونی اور تمدنی و معاشرتی نظام کے ساتھ ہے۔ پھر ان سب چیزوں کی بنیاد اسلام کے نظامِ اخلاق پر قائم ہے۔ اور وہ نظامِ اخلاق بھی اپنے آپ پر قائم نہیں ہے بلکہ اس کے قیام کا پورا انحصار اس پر ہے کہ آپ ایک عالم الغیب قادرِ مطلق خدا پر ایمان لائیں اور اپنے آپ کو اس کے سامنے جوابدہ سمجھیں، موت کے بعد آخرت کی زندگی کو مانیں اور آخرت میں عدالتِ الٰہی کے سامنے اپنے پورے کارنامہ حیات کے جانچے جانے اور اس جانچ کے مطابق جزا اور سزا پانے کا یقین رکھیں، اور یہ تسلیم کریں کہ خدا کی طرف سے محمدؐ رسول اللہ نے جو ضابطۂ

اخلاق و قانون آپ تک پہنچایا ہے، جس کا ایک جزیہ معاشی نظام بھی ہے، وہ بے کم و کاست خدا ہی کی ہدایت پر مبنی ہے۔ اگر اس عقیدے اور نظامِ اخلاق اور اس پورے ضابطۂ حیات کو آپ جوں کا توں نہ لیں گے تو نرا اسلامی نظامِ معاشی ایک دن بھی اپنی صحیح اسپرٹ کے ساتھ نہ چل سکے گا ورنہ اس سے آپ کوئی معتد بہ فائدہ اٹھا سکیں گے۔